حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ

علامہ نجم آفندی صاحب قبلہ

تیرہ سو برس کی بات ہے، عرب دیس اور کربلا کے ریتیلے میدان میں، فرات کی نہر کے کنارے ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں ایک طرف بہتر ستونت سچائی کے طرفدار، جنتا کا دُکھ درد رکھنے والے، بھلائی کے پالن ہار، برائی سے دور رہنے والے اچھے کرموں کے اپدیشک، حسینؑ اور ان کے ساتھی مسافر تھے، دوسری طرف اس سمے کے بادشاہ یزید کی سینا کے کم سے کم تیس ہزار آدمی تھے، جو حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس کارن قتل کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے، کہ حسینؑ نے اس پاپی حکومت کو ماننے سے انکار کردیا تھا، جو زبان سے کہنے کے لئے مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن اس کا چلن مسلمانوں کے پیغمبر (حسینؑ کے نانا) کے بتائے ہوئے اور سکھائے ہوئے طریقوں سے بالکل الگ تھا۔ غریب آدمی تلوار کی حکومت اور مایا کی طاقت چکی کے دو پاٹو کے بیچ میں بہت بری طرح پس رہے تھے، انیائے اور اپرادھ کے سوا نیائے اور دیا دھرم کا کہیں نام نہ تھا۔

حسینؑ غریب جنتا کی دکھ درد سے بھری چیخ پکار سن کر، ان کے بار بار کے بلاووں سے مجبور ہوکر، گھر سے نکلے تھے، اور گرمی اور دھوپ میں کئی مہینوں کا سفر کرکے کربلا تک پہنچے تھے اور فرات کے کنارے ڈیرے ڈال رہے تھے کہ یزید کے لشکر نے آکر چاروں طرف سے گھیر لیا اور انھیں دریا کے کنارے اترنے سے روک دیا۔ حسینؑ لڑائی لڑنا اور خون بہانا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے دریا سے دور ہٹ کر جلتی ہوئی ریت پر اپنے خیمے لگا لئے۔ حسینؑ کے ساتھ عورتیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے جن کے کارن حسینؑ کے سورما ساتھی لڑنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے، لیکن حسینؑ نے ان کو سمجھا بجھا کر باز رکھا، ورنہ جو لڑائی چھ سات دن کے بعد ہوئی، وہ اسی وقت پانی کے لئے شروع ہوجاتی۔ اس چھ سات دن کے اندر یزیدی لشکر کے سیناپتی اور حسینؑ سے کئی مرتبہ بات چیت ہوئی، مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ یزید کا سندیسہ یہ تھا کہ حسینؑ یزید کی حکومت کو مان لیں، جنتا کی چیخ و پکار پر کان نہ دھریں، جو اپرادھ ہورہا ہے اس کو ہونے دیں، تب ان کی جان بچ سکتی ہے۔ اگر حسینؑ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے اس پر راضی ہوجاتے، تو حسینؑ کے نانا مسلمانوں کے رسولؐ نے اپنی ساری عمر جو بھلائی کا پرچار کیا تھا، آدمی کو سدھارنے کی جو انتھک کوششیں کی تھیں، دیا دھرم کا جو سبق دیا تھا، سب اکارت ہوجاتا اور آج مسلمانوں کو سنسار میں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہتی، دنیا والوں کو اندھیرے اُجالے کا فرق نہ معلوم ہوتا، اور مسلمانوں کے دھرم کا چراغ جو تھوڑی بہت روشنی دے رہا ہے، بالکل ہی بجھ کے رہ جاتا۔

حسینؑ جب گھر سے نکلے ہیں تو ان کے ساتھ بھی بہت آدمی تھے، لیکن ان کے بار بار یہ بات کہنے سے کہ ''میں حکومت کے لوبھ اور لالچ میں نہیں جارہا ہوں، میرے ساتھ رہنے والوں کے لئے موت کا سامنا ہے۔'' لوگ ساتھ چھوڑتے چلے گئے اور بہتر جیالے، اور سچی محبت کرنے والے رہ گئے، جن کو یہ دُھن لگی تھی کہ اس دھرماتما ایشور روپی منش کے ساتھ سچائی کے پرچار میں جان دے کر امر ہوجائیں۔

حسینؑ نے اپنے دشمنوں سے کہا کہ تم لوگوں میں بہت ایسے آدمی ہیں جنھوں نے مجھے چٹھیاں لکھ کر بلایا تھا، اور اب تم

لوگ انجان ہو گئے ہو، تو مجھے مدینہ واپس جانے دو، میں لڑائی جھگڑا کرنا، اور خون بہانا نہیں چاہتا مگر جب کسی نے ان باتوں پر کان نہ دیئے اس وقت حسینؑ نے ایک آخری بات یہ کہی کہ ''اچھا مجھے راستہ دو کہ میں ہندوستان چلا جاؤں۔''

بھارت کے سپوتو! یہاں سے حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ شروع ہوتا ہے کیسے میٹھے شبد ہیں، کیسے بھروسہ کی چھاؤں میں کہے گئے تھے، سارا سنسار پڑا ہوا تھا، عیسائیوں کے بہت سے ملک تھے، چین تھا، جاپان تھا، ابیسینہ (حبش کا دیش) تھا، جہاں ان کے ناناؐ کے وقت میں مسلمان مکہ سے جا کر مہمان رہ چکے تھے، مگر حسینؑ نے کسی طرف دھیان نہیں دیا۔ انھوں نے اپنے رہن سہن کے لئے ہندوستان کا چناؤ کیا تھا اور ہندوستان ہی کا نام ان کی زبان پر آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان کے رہنے والے برہمن، راجپوت، ویش کوئی جیو ہتیا کو پسند نہیں کرتا، یہ لوگ مہمانوں کا دکھ درد سمجھیں گے اور اُن کا آدر کریں گے (مجھے راستہ دے دو کہ میں ہندوستان چلا جاؤں) حسینؑ کی زبان سے نکلے ہوئے ان شبدوں کا ذکر کتابوں میں موجود ہے، ابھی ۱۶/مارچ ۱۹۵۸ء داؤد علی مرزا رکن پارلیمنٹ نے پارلیمنٹ کے اجلاس میں مسئلہ کشمیر پر جو تقریر کی ہے، اس میں اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ ہندوستان آنا چاہتے تھے۔

(اخبار سیاست، ۱۷/مارچ ۱۹۵۸ء حیدرآباد دکن)

حسینؑ اور ہندوستان کا یہ سمبندھ دن بہ دن مضبوط ہوتا گیا، اور ایک دن وہ سمے آیا کہ جب بھارت دیس کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے والے گاندھی جی جیسے بڑے آدمی نے جب وہ پہلی دفعہ حکومت کا قانون توڑنے اُٹھے تھے، اور نمک بنانے جا رہے تھے، اپنی زبان سے یہ بات کہی کہ میں حضرت امام حسینؑ کے انو کرن میں اپنے ساتھ بہتر آدمی حکومت کے مقابلے کے لئے لے کر جا رہا ہوں۔ گاندھی جی کی عزت ہندوستان کے ہر آدمی کے دل میں اُتنی ہے کہ یہاں کا ہر بچہ جوان اور بوڑھا انھیں باپو کہہ کر پکارتا ہے اور وہ بھارت دیس کے باپ مانے گئے ہیں۔ گاندھی جی کے من میں حسینؑ کے نام اور کام کی اتنی عزت تھی کہ انھوں نے دیس کی بھلائی اور حکومت سے لڑائی کا کام حسینؑ کا نام لے کر شروع کیا۔ یہ ہے حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ، ابھی ہمیں اس سمبندھ کے پرمان میں بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر پہلے اس لڑائی کا سماچار تھوڑا بہت سنا دینا ضروری ہے۔

دشمنوں کے لشکر نے حسینؑ کی کوئی بات نہیں مانی، اور حسینؑ نے دشمنوں کی بات جس کے ماننے سے عزت، آبرو، دھرم اور جنتا کی سیوا کا مہا کاج، سب پر، پانی پھر جاتا، منظور نہیں کی اور لڑائی ٹھہر گئی۔

دشمنوں نے پہلا کام یہ کیا کہ جو کسی دھرم، اور کسی دیس کے آدمیوں نے نہیں کیا ہوگا کہ حسینؑ کے خیموں اور نہر کے بیچ میں فوج کی ایک دیوار کھڑی کر دی، اور پانی لے جانے کا راستہ بند کر دیا۔ وہ پانی، جس کو پیدا کرنے والے نے اپنے سب بندوں کے لئے، وہ امیر ہوں، غریب ہوں، بادشاہ ہوں، فقیر ہوں، بغیر کسی مول تول کے، سنسار کی پیدائش کے پہلے دن سے عام کر رکھا ہے، اور جو کبھی جانوروں کے لئے بھی بند نہیں کیا جاتا۔ پانی نہ ملنے سے محرم کی دس تاریخ تک یہ حال ہو گیا کہ پیاس کے مارے سب کی زبانیں سوکھ کر تالوؤں سے چمٹ گئیں۔ بوڑھے اور جوان آدمیوں نے بڑے سنتوش اور دھیرج سے کام لیا، لیکن بچوں کی زبانوں میں 'پانی پانی' اور 'پیاس پیاس' کی آوازیں خیموں میں گونج کر حسینؑ کے ساتھی عورتوں اور مردوں کے دلوں کو تڑپا رہی تھیں۔

پچھلی رات کو حسینؑ نے اپنے بہتر ساتھیوں کو ایک خیمہ میں اکٹھا کر کے وہ تقریر کی تھی، جو تیرہ سو برس سے آج تک ہر آدمی کو اچنبھے میں ڈال رہی ہے۔ حسینؑ نے کہا کہ میرے دوستو، بھائی، بیٹو، بھتیجو اور بھانجو! تم سب میرا ساتھ دینے سے ہاتھ اُٹھا لو، اور مجھے اکیلا چھوڑ کر جس طرف چاہے چلے جاؤ، میں تمہیں کھلے دل سے اجازت دیتا ہوں، مجھے تمہارے چلے جانے سے

کوئی رنج نہیں ہوگا۔ یہ لوگ صرف میرے لہو کے پیاسے ہیں، انھیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے، یہ تم سے کچھ نہیں بولیں گے۔ انھوں نے میری سہائتا کو آنے والوں کا راستہ روکا ہے، مجھے چھوڑ کر جانے والوں سے یہ کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر کوئی اس بات پر راضی نہیں ہوا۔ اب حسینؑ نے وہ دِیا جو خیمہ میں جل رہا تھا، بُجھا دیا کہ جو آدمی اپنے من میں اپنی جان بچا کر چلے جانے کا بچار کر رہا ہو، اور جسے سب کی آنکھوں دیکھتے جاتے ہوئے لاج آتی ہو، وہ اندھیرے میں چلا جائے، مگر ایسا نہیں ہوا، یہ لوگ اپنی دُھن کے پکے اور اپنے ارادے کے مضبوط رہے۔

اسی رات کو جب حسینؑ اپنے خیمے میں ساتھیوں کی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے، عورتوں کے خیموں میں، مائیں اپنے اپنے بچوں کو، بہنیں اپنے اپنے بھائیوں کو، باپ دادا کی بہادری کی کہانیاں سنا سنا کر دشمن سے لڑنے، اور حسینؑ کے ساتھ جان دینے کے لئے تیار کر رہی تھیں۔

صبح ہوتے ہی دشمن کی فوج نے میدان سے نکل کر اپنے پرے جمالئے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھی بھی نماز پڑھ کر سامنے آ گئے، حسینؑ نے پھر ایک مرتبہ دشمن کی فوج کی طرف منہ کر کے اور ان کو پکار کے ایک اپدیش دیا۔ لڑائی سے باز آنے کے لئے سمجھایا اور اچھی طرح یہ بات ان کو سمجھا دی اور جتلا دی کہ میرا کوئی دوش نہیں ہے، میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا ہے اور سوائے بھلائی کے کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ اس اپدیش کو سن کر چار آدمی دشمن کی فوج سے نکل کر حسینؑ کی طرف آ گئے۔ سنسار نے دیکھ لیا کہ سچائی میں کتنی طاقت، اور ست کی آواز میں کتنا کس بل ہوتا ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھ کر اور جان بوجھ کر اس طرف آئے تھے، جہاں سوائے بھوک، پیاس، اور موت کے اور کچھ نہیں تھا، جن پُستکوں میں اس لڑائی کا ذکر ہے، ان کی چھان بین سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت بھی بیس آدمی یزید کے لشکر سے نکل کر حسینؑ کے ساتھیوں میں آ کر مل گئے تھے، یہ سماچار اس بات کا پرمان ہے، کہ حسینؑ کی طرف سچائی کی روشنی تھی اور ان کے دشمنوں کی طرف جھوٹ کا اندھیرا۔

لڑائی شروع ہوئی اور سورج ڈوبنے سے پہلے ختم ہوگئی، بہتر تین دن کے پیاسے آدمیوں کا تیس ہزار خون کے پیاسے آدمیوں سے مقابلہ، جو کٹورے بھر بھر کر پانی پی رہے تھے اور دھرتی پر لنڈھا رہے تھے مگر حسینؑ کے پیاسے ساتھی کیا بہادر تھے، ایک ایک مرنے والا پچاس پچاس، سوسو اور اس سے بھی زیادہ دشمنوں کو ٹھکانے لگا کر زمین پر گرا ہے۔ ہم پوری لڑائی اور ایک ایک حسینؑ کے ساونت ساتھی کا حال کہاں تک بیان کر سکتے ہیں۔ بہت سی باتیں کہنے کے قابل ہیں مگر اتنا وقت کہاں سے لائیں، پھر بھی دو ایک باتیں ضرور کہنی ہیں۔

دوپہر کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے اور جسے ظہر کی نماز کہتے ہیں، لڑتے لڑتے اس کا وقت آ گیا۔ دشمن کے لشکر سے برابر تیر آرہے تھے مگر یہ اللہ کو یاد رکھنے والے بندے نماز کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ حسینؑ امام تھے، وہ سب کے آگے، اور سب ان کے پیچھے، نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے، مگر حسینؑ کے دو منچلے ساتھیوں نے ایسا جیوٹ کا کام کیا ہے کہ جس کو سن کر بڑے بڑے سورماؤں کے ہوش اُڑ جاتے ہیں۔ ان دو موت سے کھیلنے والے سپاہیوں نے نماز نہیں پڑھی، یہ دونوں حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور جتنے تیر آئے، اپنے سینوں پر لیتے رہے۔ نماز ختم ہوتے ہی ان میں کا ایک بہادر گرا اور ختم ہوگیا، اور پھر دوسرا لڑائی میں شریک ہوا، تلوار کھینچ کر دشمنوں پر جا پڑا اور بہت سے دشمنوں کو مار کر اپنی جان دے دی۔ ایسے موقعوں پر ہر بہادر آدمی کی یہ اچھا ہوتی ہے کہ دو چار دس پانچ کو مار کر مرے، لیکن ان دونوں نے اپنے دل پر کتنا بڑا پتھر رکھا ہوگا، جب یہ سمجھ کر حسینؑ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ ہمیں صرف تلوار کھانا ہے، تلوار چلانا نہیں ہے۔ بہادری کے ایسے نمونے، اور وفاداری کی ایسی مثالیں سنسار میں شاید ہی کبھی دیکھنے یا سننے میں آئی ہوں گی۔

حسینؑ کے ساتھیوں میں بارہ چودہ برس کے بچے بھی تھے،

اور اٹھارہ برس کا جوان حسینؑ کا لاڈلا بیٹا بھی تھا، سب چھوٹے بڑے، خوب خوب لڑے، اٹھارہ برس والا جیالا دشمنوں کی صفوں میں گھس کر اور لڑ بھڑ کر پھر نکل آیا۔ باپ کو آ کر سلام کیا، اپنی پیاس کی تکلیف بیان کی، اور پھر واپس جا کر لڑا اور شہید ہو گیا۔ اب ہمیں ایک اڑتیس برس کے جوان، حسینؑ کے سوتیلے بھائی عباسؑ کا حال اور ایک حسینؑ کے چھ مہینے کے بچہ کا سماچار اور بیان کرنا ہے۔

عورتوں اور بچوں کو پیاس کی تکلیف مردوں سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر عباسؑ نے ایک سوکھی مشک بھی اپنے ساتھ رکھ لی تھی۔ یہ اس چھوٹی سی فوج کے افسر تھے۔ لشکر کا نشان بھی ان کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک مرتبہ بھائی سے اجازت لی، اور دریا پر تیر کی طرح چلے، اور ایسی تلوار چلائی کہ بہت سے آدمیوں کو گرا کر، بھگا کر، اور لوہے کی صفوں کو توڑ کر کنارے پہنچ گئے۔ خود پانی نہیں پیا، مشک پانی سے بھر لی، اور اسی طرح تلواریں مارتے ہوئے واپس آ رہے تھے کہ کسی دشمن کے وار سے ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ فوراً ہی دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر راستہ صاف کرنے لگے۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے، کہ دوسرا ہاتھ بھی کٹ کر بے کار ہو گیا۔ اس حالت میں بھی گھوڑے کو ایڑ دیتے ہوئے، مشک کے تسمہ کو دانتوں میں دبائے ہوئے، حسینؑ کے خیموں کی طرف بڑھے چلے جاتے تھے کہ اتنے میں مشک کے اوپر ایک تیر آ کر لگا، اور پانی بہنے لگا۔ اب جس مطلب سے ہاتھ کٹ جانے پر بھی مشک چھاتی سے لگائے بڑھے چلے جا رہے تھے، وہی پانی نہیں رہا، تو حوصلہ بھی ٹوٹ گیا۔ گھوڑے سے گرے، مشک اور نشان چھاتی سے لگائے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اب چھ مہینے کے بچہ کی بات سنو۔ چھ مہینے کے بچہ میں کیا جان ہوتی ہے، ماں کا دودھ سوکھ گیا، پانی کا پتہ نہیں، عرب دیس کی گرمی، جلتی ہوئی دھوپ میں خیمے، بچہ کی حالت بہت بگڑ گئی۔ حسینؑ اب اکیلے تھے اور اس آخر وقت میں بیبیوں اور بچوں سے رخصت ہونے کے لئے، جن میں ایک چار برس کی لاڈلی بچی بھی تھی، حسینؑ خیمہ میں گئے، اور وہاں چھ مہینے کے بچہ علی اصغرؑ کو دیکھا کہ پیاس کی تکلیف سے ایسا نڈھال ہو رہا ہے کہ اس کے جینے کی آس باقی نہیں رہی ہے۔ حسینؑ نے سوچا کہ شائد یہ لوگ ترس کھا کر اس بچہ کو دو بوند پانی پلا دیں، اور اس کی جان بچ جائے۔ اس سوچ بچار کے بعد ماں کی گود سے لے کر میدان میں آ گئے۔ دشمنوں کو اس کی حالت دکھائی اور کہا کہ تم اپنے ہاتھ سے اسے پانی پلا دو۔ دشمن کے لشکر میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی تھی کہ سیناپتی کے حکم سے ایک پتھر دل والے آدمی نے تاک کر ایسا تیر بچہ کے گلے پر لگایا کہ وہ تڑپ کر باپ کے ہاتھوں پر تمام ہو گیا۔ اس سنسار میں ایسا اپرادھ کبھی نہ دیکھنے میں آیا تھا، نہ سننے میں۔ کربلا کے سماچار کا یہ ایسا دکھ بھرا قصہ ہے جس کو سن کر ہر آدمی کے آنسو نکل آتے ہیں، اور ہر دھرمی اور ادھرمی کا دل سینہ میں تڑپ جاتا ہے۔

اب دشمن حسینؑ کی جان لینے کے لئے بڑھے، اور چاروں طرف سے ہزاروں نے گھیر لیا۔ حسینؑ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، وہ بڑے سورما تھے، اور کمزوروں کی طرح بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے جان دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کا دھرم یہ ہے کہ اپنی طرف سے پہل نہ کرو، مگر جب تم پر کوئی ہاتھ اٹھائے تو پوری طاقت سے مقابلہ کرو، پھر تم پر کوئی دوش نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ایسا نہیں کیا وہ بادشاہ ہوں، یا فقیر مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے دھرم کو بدنام کرنے والے ہیں۔ یہ دھرم حسینؑ کے نانا ہی کا تو پھیلایا ہوا تھا، حسینؑ سے زیادہ کون اسے سمجھ سکتا تھا، جو اپنی زبان اور اپنے کام سے اس کی سیوا اور اس کا پرچار کرتے رہے۔

حسینؑ تین روز کے بھوکے اور پیاسے تھے، زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، سب بھائی، بیٹے بھتیجے، اور بچپن کے متر آنکھوں کے سامنے اپنی جانیں دے چکے تھے، ایک چھ مہینے کا بچہ تو ان کی گود ہی میں تیر سے ذبح کر دیا گیا تھا، ایسی حالت میں

آدمی کے حواس باقی نہیں رہتے، مگر حسینؑ کے ساتھ ست کی شکتی، اور دھرم کی سہائتا تھی۔ پیدا کرنے والے کی طرف دھیان لگائے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ مجھے خون بہاتے ہوئے افسوس ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ مجھے اس پر مجبور کئے دیتے ہیں، تلوار کھینچ لی، اور ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ تین مرتبہ دشمن کے پورے لشکر کو پیچھے ہٹ جانا پڑا، اور کسی میں سامنے آنے کی (کا) ساہس باقی نہیں رہی (رہا)، اب دور سے تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی اور پتھر پھینک پھینک کر زخمی کیا جا رہا تھا۔ کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ کئی سو آدمی اس وقت حسینؑ کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ حسینؑ اب بھی کسی کے بس کے نہیں تھے، مگر اس نماز کا وقت آ گیا تھا، جو سورج کے ڈوبنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ تلوار نیام میں کر کے گھوڑے سے اُترے اور دونوں ہاتھوں سے کربلا کے میدان کی مٹی جمع کر کے سجدہ کرنے کی جگہ بنائی، اور پوری شانتی اور سنتوش کے ساتھ نماز شروع کر دی۔ جس وقت سجدہ میں گئے ہیں، یہ بھاگنے والے کائر سپاہی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے، اور سجدہ کی حالت میں گردن کے پیچھے سے تلوار پھیر کر شہید کر دیا۔ قاتل نے سر اٹھا کر برچھی کی انی پر بڑے گھمنڈ کے ساتھ رکھا، اور اپنے اپرادھی ساتھیوں کو لڑائی ختم ہونے کی خبر دی۔ اس کے بعد بہت سے مہا کائر، دُشٹ اور پاپی مسلمان سامان لوٹنے کے لئے حسینؑ کے خیمے میں چلے گئے۔ سامان بھی لوٹا اور خیموں میں آگ بھی لگا دی جس کے کارن بی بیوں اور بچوں کو باہر میدان میں نکلنا پڑا اور سیناپتی کے حکم سے ان سب بیبیوں اور بچوں کو رسی میں باندھا گیا۔ حسینؑ کے بیمار بیٹے کو اس کے بستر سے کھینچ کر، ہاتھوں میں رسی باندھ دی، اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ یہ بیبیاں اور بچے جو کہیں آ نہ سکتے تھے، نہ جا سکتے تھے، اس لڑائی کے قیدی بنائے گئے اور دوسرے دن صبح کو اسی حالت سے، کہ ان کے سروں پر چادریں تک نہیں تھیں، ساتھ لے کر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں جنگل میں بغیر گور گڑھے کے چھوڑ کر، کوفہ کی طرف چل پڑے، جہاں یزید کا گورنر ابن زیاد حکومت کر رہا تھا، جو حسینؑ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ دکھ درد کی کہانی بہت بڑی ہے اور بہت سی باتیں وقت کی کمی کے کارن بیان کرنے سے رہی جاتی ہیں لیکن ہمیں حسینؑ سے بھارت کا سمبندھ بتانا اور سمجھانا ہے اور یہی اس لیکھتا کا ادھکار ہے۔

یہ قیدی کربلا سے کوفہ، اور کوفہ سے شام، یزید کی راجدھانی کو اس طرح لے جائے گئے کہ آگے آگے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے سر، برچھیوں کی انیوں سے بندھے ہوئے تھے، اور پیچھے پیچھے اونٹوں پر قیدی سوار تھے۔ راستے میں جن جن شہروں اور بازاروں سے گذر ہوا ہے، وہاں سے اس انیائے اور اپرادھ کی خبر سارے دیس میں آگ کی طرح پھیل گئی اور بہت سے مسلمان جن کے دلوں میں نیائے اور دھرم کا ذرا سا بھی خیال تھا، اپنے پیغمبرؐ کے نواسے حسینؑ کا سوگ منانے لگے، اور یہ سال کے سال سوگ منانے کی ریت مسلمانوں کے دھرم کا ایک کارج بن گئی۔ سوگ سارے ہی مسلمان مناتے ہیں مگر طریقے ذرا الگ الگ ہیں۔

اسی طرح سال کے سال گھروں کے اندر، گھروں کے باہر، میدانوں میں، بازاروں میں، سوگ منانے کا سب سے اتم پربھاؤ یہ ہے کہ ہر سال گیارہ مہینے بعد یہ سماچار یاد آ جاتا ہے اور سنسار کو یہ شِکشا ملتی ہے، کہ جنتا کی بھلائی اور سَت کا پالن کرنے کے لئے، جھوٹوں، اپرادھیوں، اور ادھرمیوں کے مقابلہ میں، اسی طرح ڈٹ جانا چاہئے، اور جان مال کسی چیز کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے نہیں کیا ہے، بلکہ سارے سنسار کو سبق دیا ہے۔ اس شکشا میں کسی دھرم، کسی جاتی، کسی دیس کا سوال نہیں ہے؟ جو بھی اس سے فائدہ اُٹھائے، اسی کے لئے ہے۔

ہمارے بھارت دیس میں یہ سوگ ہر دیس اور ہر ملک سے زیادہ منایا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے علاوہ، ہزاروں ہندو بھائی حسینؑ کو اس طرح مانتے ہیں اور اس طرح سوگ مناتے ہیں، جیسے حسینؑ اُن کے اپنے ہیں اور ان کی گنتی بڑے

دیوتاؤں میں ہے۔ اتر پردیش ہو یا مدھیہ پردیش، پنجاب ہو یا بنگال، ہندوستان یا پاکستان، تبت سے راس کماری تک ہندو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہر جگہ حسینؑ کا سوگ منانے میں شریک ہیں، تعزیہ رکھتے ہیں، علم سجاتے ہیں، روتے ہیں، ماتم کرتے ہیں، کویتائیں پڑھتے ہیں اور پھر یہ بات نہیں کہ اَن پڑھ ہندو ہی سوگ منانے والے ہیں، بڑے بڑے وِدوان پڑھے لکھے ہندو حسینؑ کے گُن گاتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ہمارے دیس کے ہندو کوی جنھوں نے پردیسی حسینؑ کے لئے کویتائیں کہی ہیں، اگر ان کے نام لکھے جائیں تو ایک چھوٹی سی پُستک تیار ہو سکتی ہے۔ بھارت میں جتنی زبانیں بولی جاتی ہیں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں حسینؑ کے لئے کویتا نہ ہو۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے ہندوؤں نے پُستکیں لکھی ہیں اور پریم چند تو ابھی حال میں ہمارے سامنے موجود تھے، جن کی پُستک ''کربلا'' اردو زبان میں چھپ چکی ہے، اُونچی ذات کے برہمنوں سے لے کر، گونڈ بھیل اور لمباڑے تک حسینؑ کے چاہنے والوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

ہندوستان میں دت برہمنوں کی ایک شاخ ہے جو ''حسینی بامن'' کہلاتے ہیں۔ یہ گنگا، جمنا، سرجو، گھاگھرا کے میدانوں میں الٰہ آباد، گورکھپور کی بستیوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان میں دت، وید، چھبر، بلی، لاؤ، موہار، بھونیوال کتنی ذاتیں ہیں۔ یہ لوگ ایرین قوم کے ہیں، سرخ و سفید اور مضبوط جسم والے ہوتے ہیں۔ مہاراجہ بنارس، بینا تھوا، ٹکاری، لال گولہ اور مہاراجہ صاحب تمکوہی بھی اسی قوم سے ہیں۔ مہابھارت سے بھی پہلے ان کی قوم کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے خاندانی خطاب مہتا، بخشی، رائے زادے، ملک اور رائے شاہی زمانے کے دیئے ہوئے ہیں۔ ان کا سلسلہ بہار، یو۔ پی۔ اور پنجاب میں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان ساتوں ذاتوں میں دت بہت مشہور ہیں، یہ دت کا شبد سنسکرت کے شبد داتا سے نکلا ہے۔

یہ لوگ ایشیا کے بیچ کے حصوں، افغانستان، ایران، عرب میں بھی رہے بسے ہیں، اور اپنی تلوار کی دھاک بٹھا چکے ہیں۔

کہانیوں، کہاوتوں اور کبتوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ شاہ محمد نذیر ہاشمی کی کتاب **شہادت عظمیٰ** مرزا محمد عظیم بیگ کی رپورٹ بندوبست گجرات ۱۸۶۸ء اور جنگ نامہ صفحہ ۱۷۵ وصفحہ ۱۷۶ / احمد صاحب پنجابی کی لکھی ہوئی پُستک سے پتہ چلتا ہے کہ دت قوم کے بامنوں نے کربلا کی لڑائی میں حسینؑ کا ساتھ دیا، اور ان کے دشمنوں سے لڑے تھے، اور ایک پوربی زبان کے کبت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد امیر مختار کے ساتھ شریک ہو کر حسینؑ کے دشمنوں سے بدلہ لیا تھا۔

اس کبت کے بعض شعروں کا مطلب ہم بیان کر رہے ہیں، ایک جگہ کہا ہے کہ ''بزدل سب بھاگ کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ دت لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کی پوری پوری مدد کی اور ایک قدم بھی میدان سے پیچھے نہ ہٹے۔''

دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''جب انھوں نے میدان جنگ میں فتح پائی تو خوب خوشی اور فتح کے نقارے بجائے گئے۔ شور ہوا کہ قتل حسینؑ کا بدلہ لے لیا گیا۔''

پھر ایک جگہ لکھا ہے ''راہب کے سات لڑکوں نے حسینؑ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ انھوں نے مظلوم شہید پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اے حسینؑ کی سنتان (اولاد) اور حسینؑ کے نام لینے والو! تمہارا فرض ہے کہ تم دت لوگوں کو نہ بھلاؤ۔''

شاہ محمد نذیر ہاشمی کی کتاب اور ہماری کتاب **حسین علیہ السلام اور ہندوستان** میں یہ کبت موجود ہے۔ دت لوگوں میں ایک کتاب **''حسین علیہ السلام پوتھی''** کے نام سے دیکھی گئی ہے جو کہیں کہیں خاص موقع پر پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

''غازی پور میں رائے بہادر سالک رام اسی قوم سے تھے، اور ان کے پاس کچھ کویتائیں اسی طرح کی تھیں۔ مجھے خود بھی ایک ڈاکٹر رام لال پانی پت میں ملے جو حسینی بامن تھے۔ ہمارے ہندو بھائیوں کے کتنے ہی کبتوں میں ایسی پُستکیں اور کویتائیں کبت اور مثلیں مل سکتی ہیں، جن سے حسینؑ اور ہندوستان کے سمبندھ کا زیادہ حال معلوم ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں بیس بائیس ریاستیں ایسی تھیں جہاں ریاست کی طرف سے سال کے سال حسینؑ کا سوگ منایا جاتا تھا، جن میں گوالیار کی ریاست سب سے آگے تھی۔ اس کے راجاؤں نے محرم کے دنوں میں جب ان کا لشکر کسی لڑائی کے کارن شہر سے باہر پڑا تھا، جنگل میں بھی یہ سوگ منایا اور ایک چھولداری میں علم وغیرہ سجائے ہیں اور مجلس، ماتم ہوا ہے، یہ بات میں نے ایک انگریز کی رپورٹ ''Letters from Maratha Camp'' سے نقل کی ہے۔ گوالیار کے مہاراجہ حسینؑ کے نام پر فقیر بنتے تھے اور دس محرم کو تعزیہ کے ساتھ پیدل جاتے تھے۔

کوئی قوم ہندوستان کی ایسی نہیں ہے جس میں حسینؑ کا سوگ نہ منایا جاتا ہو۔ سنا ہے، لاہور میں سکھوں کی طرف سے بھی ایک تعزیہ اٹھایا جاتا تھا۔

حسینؑ کے ماننے والوں میں، برہمن بھی ملیں گے، اور ہریجن بھی۔ یہ ہے حسینؑ اور ہندوستان کا سمبندھ۔ مگر اس سمبندھ کا حال سارے بھارت باشیوں کو معلوم نہیں۔ بہت کم آدمی اس بات کو جانتے ہیں کہ حسینؑ نے بھارت کی طرف آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور وہ ہر سال بھارت کے مہمان ہوتے ہیں۔ یہ بات نہ جاننے کی وجہ سے انگریز راج کے سمے کبھی کبھی ہندو مسلمانوں میں علم تعزیہ کے کارن جھگڑا ہو جاتا تھا۔ اگر یہ بھید سب ہندو بھائیوں کو معلوم ہوتا اور ان کو یہ بتا دیا جاتا کہ حسینؑ تو بھارت کے مہان ہیں، اور تمہارا ان کا تیرہ سو برس کا سمبندھ ہے، تو ہمیں وشواس ہے کہ کبھی ایسے لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آتی، اور سب ہندو بھائی تعزیہ کا آدر کرتے، اور حسینؑ کے سوگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا دھرم کی بات سمجھتے۔

حسینؑ کے سوگ منانے میں کسی قوم اور دھرم کے آدمی کو دکھ پہنچنے کا کوئی کارن ہی نہیں ہے۔ یہ لڑائی جو کربلا کے میدان میں ہوئی ہے کسی دوسری قوم سے نہیں ہوئی تھی، مسلمانوں کی آپس کی لڑائی تھی۔ ایک طرف سچے مسلمان تھے اور دوسری طرف نام کے مسلمان۔ ایسے سماچار میں کسی قوم کو حسینؑ کا سوگ منانے والوں سے کیا شکایت ہوسکتی ہے؟! بھارت کے رہنے والے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، کسی دھرم کے ماننے والے ہوں، سب سے حسینؑ کا سمبندھ ہے۔ بات اتنی ہے کہ کسی کو خبر ہے، اور کسی کو نہیں ہے۔ ہم نے اپنی کِوتیا کربل نگری میں بھی اس سمبندھ کا ذکر کیا ہے، اور اپنی پُستک "حسین علیہ السلام اور ہندوستان" میں پورا پورا حال لکھا ہے۔ ہم نے حسینؑ اور ہندوستان کے سمبندھ کا سہارا لے کر اپنے ہندی بھاشا کی کویتاؤں میں ہندو مسلم میل جول کی اپیل کی ہے جس کے بعض بعض شعر ہم لکھتے ہیں:

(۱)

اب جا کے ہمالہ پربت سے، لے ماتم کی ٹکراتی ہے
اس دیس کی نجمیؔ دور بلا، جس دیس پہ غم چھائے گیا

(۲)

جب آئے حسینی سیوا میں، سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے نجمیؔ دل بھی کبھی جب اُن کی نجر پر بات رہی

(۳)

اپنے کو جو چاہے نجمیؔ اس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہر لیں ہمارا

(۴)

سوامی کتنی دورتے لگا پریمی بان
اٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان
بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس
آنسو تمرے سوگ کے اور گنگا جمنی دیس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا
ست جگ کے ستارے کیا کہنا

(۵)

اس دیس کی آنکھیں بھی، نجمیؔ پیاسی تھیں حسینی درشن کی
بھارت میں اجالا پہنچا ہے، کربل میں درس دکھلایا تھا

✿✿✿